ہوتے ہ

ہوتے ہواتے، گرجتے گرجاتے، کھڑ
مرتے مارتے عمر گیرو کپڑے پہننے کی آگئی ۔با
کے طور پر کوئی کوئی بال سیاہ رہ گیا تھا۔چھ ف
آئینوں کے سامنے سے گزرتا تو اسے احس
جیسی لچک نہیں رہی۔اب اس کے وجود ۔
فراری ملزموں کی طرح لمبے برآمدے میں
وقتوں کے قدآدم آئینے ترتیب وار لگے ۔
میں آنکھ کھولی تو ساری زندگی کو ہی ٹھٹھ
کے بعد وہ اندر سے بالکل کاکا سا تھا جو پا
دھنسے اپنے باپ کو دیکھ رہا تھا۔قلا باز
وہ سمر سالٹ کھاتا رہتا بلکہ اس آخری
کے پٹھے ہی چڑھا دیئے تھے۔

یہ پچھلے تیس سال اس کے اور ملکا
محبت؟ سمجھوتہ؟ مصلحت؟ جھوٹ
بارہ کینال کی ٹھاٹھ دار حویلی نما کوٹھی میں

۔۔۔واتے

ۓتے کھڑکاتے، رنگتے رنگاتے، گھیرتے گھراتے
بائیں آنکھ میں موتیا اترنے لگا تھا۔ سوغات
ٹ ایک انچ لمبا ملک آصف جب قدآدم
ساس ہوتا کہ جسم میں نستری ہوئی فصلوں
سے شوکت کا لفظ چسپاں نہیں ہوتا تھا۔ وہ
ں سے گزر جاتا جس میں اس کے دادا کے
تھے۔ ملک آصف نے جب اس صید گاہ
مذاق سمجھا —— آج بھی اتنی عمر گزر جانے
ؤں پر پاؤں دھرے راکنگ چیئر میں
یوں کی عمر بیت چکی تھی لیکن اندر اب بھی
ں سمرسالٹ نے تو اس کے سارے جسم

انی آمنہ کے درمیان کیا تھا؟

ن؟ رواداری؟ دھرما دھرمی؟ کام چلاؤ؟
آم کے درختوں میں چھپی کوئل کوک رہی

تھی۔ فضا میں اجڑی سی پیلی روشنی تھی۔ چند شہد کی مکھیاں کھلے برآمدے میں آجا رہی تھیں۔ صبح سے ریڈیو پر سورج گرہن کی خبر آرہی تھی ملک آصف کی بوڑھی ماں برآمدے میں منہ کھولے، ہاتھ میں تسبیح پکڑے، ریڈیو لگائے کرسی پر بیٹھی سو رہی تھی۔ وہ ادھر اُدھر یونہی کرسیوں پر بیٹھ کر سونے کی عادی تھی۔ جب ملک آصف کی بہو برآمدے سے گزرتی اور اس کی ٹکٹکاتی ہیل کا شور ہوتا تو بڑی ملکانی تڑپ جاتی اور مرچنگ سی آواز میں کہتی ـــ "اے پارو، بہو سورج گرہن سے بچنا۔ چلتے رہنا ـــ سورج گرہن بھاری چیز ہے ـــ قینچی سوئی کو ہاتھ نہ لگانا ـــ جانے بچے کے کس انگ پر نشان پڑ جائے ـــ"

اپنے کمرے میں حنوط چیتے کے سر پر پاؤں رکھ کر ملک آصف بندوق صاف کر رہا تھا۔ جب بھی پارو یا ملکانی آمنہ برآمدے میں آتیں، وہ بندوق صاف کرنا بند کر دیتا ـــ یوں لگتا جیسے اس نے پہلی بار کسی عورت کو دیکھا تھا۔ بلکہ اس نے تو شاید پہلی بار اپنی کوٹھی کو دیکھا، برآمدے میں بیٹھی ماں، ہوا سے جھولتے کمروں کے ماڈرن پردے، لان کا کچھ سوکھا حصہ، ٹکڑیوں میں لگے ان ڈور پلانٹ، پورچ میں اُترنے والی سیڑھیوں پر دھرے سنگِ مرمر کے گملے اور ان گنت چیزیں جو برآمدے میں نئے کے ساتھ پرانی وجاہت کو ظاہر کر رہی تھیں یہ عکس وقت کی کینوس پر ٹھہرے ہوئے لمحے کی طرح اسے نظر آیا۔

سمرسالٹ کھا چکنے کے بعد وہ حساب کرنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ ایک حساب کتاب ایسا بھی ہوتا ہے۔ جس کے نفع نقصان کی کانوں کان کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ جب بیلنس شیٹ تیار ہوتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ ساری عمر نام میرا اگاؤں تیرا ہی رہا ـــ ملکانی آمنہ کرائے پر بنی ہوئی عمارت تھی۔ شک رہا کہ اب گری کہ گری لیکن لب دریا اس کی شان میں کبھی کمی نہ آئی۔

کئی فلمیں ری وائینڈ ہو کر اس کے اندر چل رہی تھیں۔

من موہنی صورتیں .... اسے لپ لپ کھانے والیاں .... قدموں سے لگی رہنے والی کٹیل عورتیں .... کھی کھی ہنس کر جی سائیں کہنے والی مٹیاریں — وہ ساری بھیڑ کیسے چھٹی؟ ان تمام صورتوں کے موٹف پر ایک چہرہ بار بار سوپر امپوز ہوتا تھا۔ لمبی گردن والی نک طوطی ملکانی آمنہ جس کے کانوں میں چار چار ہیرے کی بالیاں تھیں۔ ملک آصف نے ساری عمر آمنہ سے محبت نہ کی لیکن اس گندھے ہوئے آٹے کی بوری سے وہ کبھی آزاد بھی تو نہ ہو سکا۔ آج پہلی بار اسے احساس ہوا کہ اگر وہ قصوروار تھا تو محبت تو آمنہ نے بھی کبھی ملک آصف سے نہ کی تھی۔ آمنہ نے ملک آصف کے عشق میں سلیپنگ پلز ضرور کھائی تھیں۔ بڑے بڑے گھروں میں آنسوؤں کی چھتیں گرا کر لوگوں سے ہمدردی بٹوری تھی لیکن اسے محبت تو نہیں کہتے .....

اب ملک آصف کو پتہ چلا کہ محبت تو ملکانی آمنہ کو صرف اپنے بیٹے گل رُخ سے تھی۔ ایسی محبت جو نقص بین نہیں ہوتی .... ستر پوش ہوتی ہے۔ اپنی زندگی بسر نہیں کرتی۔ بلکہ محبوب کی مرضی سے کٹتی ہے .... جس میں محبت کا اشتہار بے آبروئی کی صورت میں نہیں لگتا — بس اخفا ہی اخفا، لکا ہی لکا، ستر پوشی ہی ستر پوشی۔

ملکانی آمنہ کو جیسی محبت گل رُخ سے تھی .... اس انڈے سینے والی محبت کو دیکھ کر ملک آصف دنگ رہ گیا .... اس کے اندر والے کاکے نے ایسی قلابازی لگائی کہ جسم کے سارے پٹھے چڑھ گئے کہ حنوط سر پہ دایاں پاؤں رکھے گھٹنے پر بندوق جمائے برآمدے میں بیٹھی اپنی ماں پر نظریں جمائے وہ سوچنے لگا:

کیا مرد، عورت اور بچہ ایک ازلی تثلیث ہے؟

کیا مرد، عورت سے محبت کرنے پر مجبور ہے؟ یہ کیسی گلا دبانے والی رغبت

ہے جس سے مرد کبھی آزاد ہی نہیں ہو چکتا؟ بھرگرمیوں چلنے والے جھکڑ جیسی محبت جو عورت کا تنبو بھی اکھاڑ دیتی ہے اور مرد کا پرچم بھی دھجیوں میں بکھر جاتا ہے۔ کیا عورت ازل سے صرف بچے کی ہے؟ کہیں بچہ ہی تو وہ پھل نہیں تھا جسے چکھنے کے بعد عورت بہشت سے نکلی۔ کیا مرد ایک وسیلہ تھا بچے تک پہنچنے کا.... خدا سے بچھڑنے کا... ہاں ملک نے آمنہ سے بڑی بے وفائیاں کی تھیں ــــ لیکن ملکانی گل رُخ سے نہ وفا مانگتی تھی نہ بے وفائی۔ اس ٹھاکر دوارے جس طرح ملکانی نے سیس نوائے، وہ جان ہارا منظر ہی کچھ اور تھا۔

بچپن سے ملک آصف نے چاندی کا چمچ منہ میں لے کر زندگی بسر کی۔ جب وہ ایک پاؤں پر دوسرا پاؤں دھرے راکنگ چیئر میں دھنسے اپنے باپ کی شکل دیکھا کرتا۔ شاید تب بھی اس کی سائیکی کو معلوم تھا کہ کمروں میں ٹنگے ہوئے شیروں، بارہ سنگھوں، بنگال ٹائیگروں کے دھڑوں کی طرح وہ بھی بڑی بے مصرف زندگی گزارے گا۔ عورت، شراب اور بندوق سے دل بہلانے کے علاوہ اِسے اُس عطر کے پھوئیے جتنا بھی کام نہ تھا جس کی خوشبو کے پیچھے وہ لپکتا چلا جاتا، جس کی لگن میں وہ زندگی بسر کرتا۔ اس کے گاؤں کے غریب مزارعوں کا المیہ تھا کہ وہ ستم رسیدہ تھے۔ ان کا حاصل کم اور خواہش زیادہ تھی۔ آصف ایسے ماحول میں پلا تھا جس میں حاصل خواہش سے کہیں زیادہ تھا۔ اس نے ظلم، احساس کمتری، تنہائی، نقصان کی کوئی بھی معکوس مثبت شکل نہ دیکھی تھی، اس لئے وہ جد وجہد سے ناآشنا ہی رہا۔ اس کی زندگی میں کوئی مشن، تحریک، محبت، واقعہ، خیال ایسا رونما نہ ہوا جو اسے اپنی کوبرا جیسی انا سے آزاد کراتا ــــ اور اس طرح کچھ لمحوں کی فراغت ہوتی۔ کچھ عرصے کا سکون ملتا۔ آمنہ کی محبت لرزہ مانند چڑھی اور جھاگ آسا بیٹھ گئی ــــ نہ کوئی تبدیلی آئی نہ جہت مقرر ہوئی، نہ ہی بے مصرف زندگی میں

کوئی منزل مقرر ہوئی .... تیز ہوا میں اُڑنے والے دیت کے ڈھیر جیسے کبھی یہاں بیٹھ رہے کبھی وہاں۔

کل رات جب آمنہ ملکانی اس کے کمرے میں آئی تو پہلی بار ملک نے ایک چٹان دیکھی۔

"ملک آصف تم نے پارو کے ابا سے قبولا کہ گل رُخ شراب پیتا ہے؟ ــــ"

ملکانی کی آنکھوں میں سے شعلے نکل رہے تھے۔

"ہاں تو کیا گل رُخ شراب نہیں پیتا؟ ــــ میں نے کوئی جھوٹ کہا؟"

"پیتا ہے تو پیتا رہے لیکن اگر اس کا ذکر پھر تم نے کسی سے کیا ــــ تو تم دیکھو گے آمنہ کیا کچھ کر سکتی ہے ــــ"

ملک آصف کی آنکھیں چکی کے پاٹ ایسی کھلی رہ گئیں ــــ

"تم سارے رشتہ داروں میں کہتے پھرتے ہو کہ گل رُخ آوارہ ہے، رنڈیوں کے پاس جاتا ہے۔ اس کی ایک داشتہ میو روڈ پر رہتی ہے ــــ تم نے .... تم نے باپ ہو کر"

ملکانی کے کرتے کی گھنڈی گلے میں پھنسی ہوئی تھی اور الفاظ بڑے گھن گرج کے ساتھ اس کے منہ سے نکل رہے تھے۔ آصف نے آگے بڑھ کر ملکانی کے دونوں بازو پکڑ لئے۔ خمیر آٹے میں اس کی انگلیاں ہڈی تک چلی گئیں۔

"لیکن آمنہ میری ایک ایک بات تم نے .... تم نے سب کو بتائی۔ گھر گھر میرا چرچا کیا .... میری رسوائی، بدنامی کا باعث تم تھیں تم آمنہ ــــ کیا تم میرے عیب چھپا نہ سکتی تھیں؟ تمہارے سوا میرے گناہوں کو اور کون جانتا تھا؟"

"وہ اور بات تھی ــــ ملک آصف!"

"وہ کیا بات تھی ــــ؟" ملک آصف نے آمنہ کے بازوؤں پر گرفت اور مضبوط

کر کے پوچھا۔

"وہ حسد تھا ــــ"

"اور یہ .... بیٹے کی باری .... تم اس کا ہر عیب چھپانا چاہتی ہو یہ کیا ہے؟"

"یہ محبت ہے .... اگر تم نے .... باپ ہو کر اس کی ستر پوشی نہ کی .... اس کے عیبوں کو اچھالا تو میں جیتے جی مر جاؤں گی .... گل رُخ شراب پیئے یا دھتورہ .... وہ رنڈیوں کے پاس جائے چاہے داشتائیں رکھے .... میرے لئے وہ بے عیب ہے بے عیب۔ تم باپ ہو کر بھی نہیں سمجھتے پیار کا عیب، عیب نہیں ہوتا .... اپنی کمزوری کوئی اچھالتا پھرتا ہے ــــ عجیب باپ ہو تم بھی ــــ"

"تو کیا میں تمہارا اپنا نہ تھا آمنہ؟ ــــ مجھے تم نے کیوں بدنام کیا؟"

گہری رات کے سناٹے میں ملک آصف نے ایک ہی کھونچا مار کر ملکانی کا گریبان گھیرے تک پھاڑ دیا۔

"تمہیں اپنے پرائے کی کیا تمیز ملک آصف؟ تم تو بیٹے کی گاڑی پر بھی فائر کر سکتے ہو .... اکٹھے چار فائر"

تو یہ محبت تھی جس کی تلاش میں برسوں وہ عورتوں سے گھوسم گھونسا ہوتا رہا تھا۔ یہ وہ جذبہ تھا جس کی تلاش میں اس نے کئی چہرے، کئی جلدیں، کئی ننگے جسم بیکار دیکھے تھے .... وہ اس جذبے کی تلاش میں ریت کی ڈھیری بنا کبھی یہاں سے وہاں .... اور کبھی وہاں سے اُٹھ کر جہاں کہاں اُڑتا رہا ــــ رات سمر سالٹ کھا کر اس کے سارے پٹھے چڑھ گئے تھے اور پتہ نہیں رات کے کس پہر میں پھر بندوق اس کے ہاتھوں میں آگئی تھی۔ ملک آصف کراٹس کے لمحوں میں صرف اسی بندوق کو دوست مانتا تھا....

ہوتے ہواتے، سنتے سناتے، ہنستے ہنساتے، روتے رُلاتے، بکتے بکاتے،

چیختے چھناتے، چلتے چلاتے اتنا عرصہ گزر گیا کہ ملکانی آمنہ کے سارے گوشت میں خمیر لگ گیا، آنکھوں تلے کوّے کے پیروں جیسی جھریاں پڑ گئیں اور تھل تھل جسم پر جا بجا لال کالے تل اور ماتھے پر بیر بابر گومڑا پڑ گیا جو دبانے پر بھی نہیں دکھتا تھا۔ آمنہ ملکانی نے رات والا کرتہ اُتار دیا تھا پر اب تک وہ اپنے حواس میں آئی نہ تھی۔ نہ جانے گل رُخ کہاں تھا۔ نہ جانے ملک آصف اب کیا کرنے والا تھا۔ بندوق اس کے ہاتھ سے چھوٹی تو نہ تھی۔

ملک آصف نے تو ساری عمر اسے ایسے چھوا تھا جیسے مٹی کی ٹھوٹھی سے انگلی کے ساتھ فرنی چاٹتے ہیں۔ ایکا ایکی اتنا غصہ تو شاید نس پھٹ جانے کی دلیل تھی۔ ملکانی اپنے کمرے کے دیوان پر لیٹی سفید مخمل کے گاؤ تکیہ پر کمر اور بازو دھرے باہر برآمدے میں دیکھ رہی تھی ـــــ آخر ملک آصف کو ہو کیا گیا تھا؟ اکٹھے چار فائر؟ کیا باپ بیٹا ازل سے ایک دوسرے کے دشمن ہیں؟

سورج کو پوری طرح گرہن لگ چکا تھا۔ برسات کی دوپہر جیسی روشنی برآمدے میں پھیلی تھی۔ حویلی کے باغ میں مزارعے ڈھول پیٹ رہے تھے۔ بہو پارو کا دروازہ کھلا تھا اور نائیلون جالی کے پردے ہوا میں لہراتے کھلے برآمدے تک آ رہے تھے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے پارو بہو اپنے کمرے سے نکل کر برآمدے تک آئی تھی۔ اس کا پیٹ چادر کی اوٹ میں بڑا نمایاں تھا ـــ پارو نے ہاتھ کی اوٹ کر کے آسمان کی جانب نظر کر کے سورج گرہن دیکھنے کی کوشش کی تھی۔ دل میں آمنہ نے سوچا آج ہی سورج کی روشنی کو بھی چاند کی بے نوری نے کھانا تھا کہیں آج قیامت کا دن ہی نہ ہو اور ابھی تھوڑی دیر بعد ساری حویلی .... گاؤں میں جمع گندم کے ڈھیر .... بور پر آئے آموں کے درخت، ٹیوب ویل سے نکلتا پانی، مزارعوں کے گھر سب پھوئی پھوئی اُڑ جائیں .... اور کسی کو کسی کی خبر نہ رہے۔

لیکن ملکانی نے سوچا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مجھے گل رُخ کی خبر نہ رہے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں بھی جنونی پارو بہو کی طرح گل رُخ کو اُلٹا لٹکا دوں؟ اکٹھے چار فائر؟ نہ جانے کار کے اندر والے کا کیا حال ہو گا؟ ملکانی آمنہ کو تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اب ایسے میں اُسے کیا کرنا چاہیے۔

برآمدے میں ملکانی کی ساس ملکانی نور افشاں کندھے سکوڑے ہاتھ میں تسبیح لئے ریڈیو لگائے بیٹھی تھی۔ بڑی ملکانی ہمیشہ اسی طرح منی پلانٹوں کے آس پاس ملک آصف کے کمرے کا رُخ کئے بیٹھی رہتی تھی۔ اپنے پلنگ پر سونے جاتی تو نیند اُچاٹ ہو جاتی۔ آصف کا کمرہ نظر آتا تو شانتی سے اونگھنے لگتی۔ لان کا کچھ حصّہ گرمی میں سوکھ چکا تھا اور لوکاٹ کے پیڑوں پر کوئی کوئی لوکاٹ ایسا باقی تھا جس کے گرد شہد کی مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ ملکانی آمنہ اپنا اعمال نامہ گود میں لئے مخملیں گاؤ تکیئے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

ایسا ہی مٹی رنگا دن تھا اسی طرح آم کے باغ میں ڈھول تاشے بج رہے تھے جب وہ بیاہ کر یہاں آئی۔ اس روز کہیں سے ٹڈی دل اُٹھ کر آیا تھا۔ سارے گاؤں والے ٹڈی دل کے پیچھے بھاگ رہے تھے! انار چھوٹنے پٹاخے چلنے کی آواز آتی تھی۔۔۔ آمنہ ملکانی کا دل اسی روز ڈوب گیا۔ جب بازو سے بندھے مولی کے دھاگے میں چاندی کے گوکھرو پر ایک ٹڈی آ کر بیٹھ گئی اور مہری گیتو نے جب ٹڈی مارنی چاہی تو شگن کا ناریل دو حصّے ہو کر پلنگ پر گرا۔ ملکانی نور افشاں جو وارنے کا دودھ لئے کھڑی تھی، مہری گیتو سمیت کمرے سے غائب ہو گئی۔

کیا واقعی مجھے ملک آصف سے محبت ہوئی؟ کہ وہ بھی انا ہی کا ایک مسئلہ تھا۔ اپنے عکس سے کون محبت نہیں کرتا؟ ملک کی آنکھوں میں ان دنوں میں ہی میں تھی۔۔۔۔ تھی۔۔۔۔ نہیں تھی۔۔۔۔ تھی۔۔۔۔ بہت تھی۔۔۔۔ نہیں تھی۔۔۔۔

نہیں تھی نہیں تھی التماس کے زرد خوشوں میں کونپل نے جیسے چڑانے کو کئی تانیں لگائیں لیکن جب دوسری عورتوں کے سانسوں سے آئینہ دھندلا جائے اور اپنا عکس نہ دکھائے تو کیا پھر بھی محبت رہتی ہے؟ مرد اور عورت میں یہ کیا چکر تھا؟ اپنی ذات کے عکس کا؟ اپنی ذات کی بقا کا؟ وہ سوچنے پر مجبور تھی کیونکہ ساتھ والے کمرے میں رات سے ملک آصف بندوق گھٹنے پر رکھے گم سم بیٹھا تھا۔ چیتے کے سر پر پاؤں رکھ کر پاؤں گھٹنے پر رکھنا کسی قیامت کا پیش خیمہ ہو سکتا تھا؟

ملکانی آمنہ سوچ رہی تھی.... جلدی جلدی .... علیحدہ علیحدہ... جوڑ جوڑ کر کیا مرد کو کبھی بچے سے محبت ہوتی ہے؟ کیا بچہ ہمیشہ عورت کا ہوتا ہے؟ سوائے وارث سمجھنے کے ملک آصف نے گل رخ کو کیا سمجھا؟ رات کے واقعے کے بعد اب وہ اور کیا سمجھے؟ اس بات کا احساس بھی اسے جلدی نہ ہوا۔

ملکانی آمنہ کی شادی معمولی واقعہ نہ تھا۔ ہنگاموں، سمجھوتوں، لڑائیوں کے ان گنت سلسلوں کے بعد دو اونچے فردوس مکانی قسم کے گھرانوں میں یہ رشتہ طے پایا تھا۔ سال بھر تو محبت کا جھگڑا خوب چلا دونوں کو ایک دوسرے کے پل پل کی خبر رہتی پھر کہیں سے گل رخ آ گیا.... تب آمنہ کو علم نہ تھا کہ ایک تیسرے کے آتے ہی ملک آصف کی جنت ڈھے گئی ہو گی۔

وہ لاپرواہ ہونے لگا۔ اس کے جو کام کر دیئے جاتے ان کی اسے پروا نہ ہوتی لیکن جو کام نہ ہو سکتا اس کی شکایت سب کے سامنے ہوتی۔ وہ اپنے خاندان کا ملکانی کے خاندان سے مقابلہ کرنے لگا تھا۔ دونوں کی پسند ناپسند ایک دوسرے کے سامنے ڈھال بن کر آنے لگی۔ عادتوں کا فرق جی کو کھلنے لگا....

تب ملکانی کو علم نہ ہو سکا کہ ملک آصف کسی دوسرے کو برداشت کرنے والا آدمی نہیں.... کبھی کبھی وہ سوچتی کہ اگر اس نے گل رخ کو اٹھایا ہو تو ملک آصف

اُلٹے پاؤں برآمدے میں کیوں چلا جاتا ہے؟ کیا مرد اپنی اولاد سے کبھی محبت نہیں کرتا؟

ان ہی دنوں ملک آصف رات گئے کاموں آرائین کی شہتوت رنگی لڑکی بغل میں داب اس کے کمرے میں داخل ہوا۔ ملکانی کے لئے یہ منظر نیا نہ تھا۔ اس کے اپنے گھر میں ایسے بہت سے واقعات ہو چکے تھے۔ لیکن پتہ نہیں کیوں عشق جو لرزے کی طرح چڑھا تھا بہت سارے پسینے کے ساتھ اُتر گیا۔ اس کی محبت ساری کی ساری دوپٹہ کی طرح اُتر کر انا کی کھونٹی پر لٹک گئی۔ دوسری صبح ملک آصف کے پہلو میں نہ بوتل تھی نہ شہتوت رنگی لڑکی، وہ سر سے پاؤں تک انفعال تھا۔

"سنو آمنہ.... حویلی میں کسی کو علم نہیں کہ میں..... میں شراب پیتا ہوں۔ بڑی ملکانی کو علم ہوا تو وہ صدمے سے مر جائیں گی۔ تم..... اگر چپ رہیں تو..... پھر ایسا واقعہ نہ ہوگا۔"

لیکن ملکانی آمنہ کو غم و غصے سے سانس نہیں آرہا تھا۔ وہ ادھڑی چارپائی کی طرح ایک ہی رات میں خالی ہو گئی تھی۔ پھر اُس نے اپنی ماں کے گھر فون کیا۔ بہنوں کو واقعے کی ساری تفصیلیں بتائیں۔ گھر کی اصیلیں مہریاں اکٹھی کر کے کاموں ارائین کے دیہے پیٹے۔ شہتوت رنگی کو بلا کر شہتوت ہی کی لچک دار چھڑی سے پیٹا۔ گلے سے لپٹنے والے گل رُخ کو چارپائی پر پھینک کر اُونچے اُونچے بین کئے۔

آمنہ جلی..... بھنی..... مروڑے کھاتی..... کھے اُڑاتی حویلی کے اندر باہر کھلتری رہی۔

ایک روز ایسی ہی روشنی تھی۔ بارش آنے والی تھی اور لو کاٹ کے جھنڈ

میں رہ رہ کر کوئل کوکتی تھی۔ دوپہر کو شام کا سایہ ہو گیا تھا۔ سارے میں آم کے بور کی خوشبو تھی۔ ملکانی نور افشاں اس کے کمرے میں آئی تھی۔ بڑی پتلی جلد والی نک طوطی بڑی ملکانی جس کی ٹھوڑی دوھری، دھن مضبوط اور گردن میں لوہا گڑا تھا۔ بڑی ملکانی کے پاس ہیرے کے زیورات، پشمینے کے شالیں، کٹ گلاس کے ظروف، شکارگاہی کے قالین، یخ دانوں میں بھری بنارسی ساڑھیاں، بروکیڈ کمخواب کے غرارے، اخروٹ کی لکڑی میں ہاتھی دانت جڑا فرنیچر، کوفی حروف میں لکھے قرآن کریم، کئی پشت پرانی مرصع تلواریں، ایسٹ انڈیا کمپنی کی جنگ آزادی سے پہلے کی توڑے دار بندوقیں، ٹیپو سلطان کے عہد کے فرغل .... اور ان کے علاوہ ان گنت نوادرات اور عجائبات تھے لیکن اس وقت وہ بالکل ننگی بچی عاجز نظر آتی تھی۔

ملکانی نور افشاں نے اپنے لرزتے وجود کو استقامت دینے کے لئے مہاگنی کے پلنگ کا پایہ پکڑا، مقیش لگے سیاہ دوپٹے سے چہرہ پونچھا اور بولیں ــــ "آمنہ میں بھی برسوں سے جانتی ہوں کہ آصف شراب پیتا ہے۔ لیکن میں نے کسی پر ظاہر نہیں کیا ــــ اس لئے بات نہیں پھیلی .... اگر تم ملک آصف کو بدنام کروگی تو ...."

"جی تو کیا؟ ــــ" اپنی قمیض پر گل رخ کے نیپی کا سیفٹی پن لگاتے ہوئے آمنہ بولی۔

"چلو تمہیں آصف پر ترس نہیں آتا نہ سہی .... آنا بھی نہیں چاہیئے۔ کسی زخمی عورت کو آج تک کسی مرد پر ترس نہیں آیا؟ پر عزت کوئی ایک پشت کا کھیل نہیں ــــ عزت تو بنی رہنے دو اس کی۔"

"آپ خوب جانتی ہیں ایسی باتوں سے ملک آصف کی عزت کم نہ ہوگی۔"

آمنہ غزالی ملکانی نورافشاں نے کبھی کسی سے کچھ نہ مانگا تھا۔ بھیک مانگی نہ ملی تو وہ چپ چاپ باہر جانے لگی پھر لوٹ کر گل رُخ کے پنگھوڑے کے پاس آئی اور جیسے اپنے آپ سے بولی۔ ” جب گل رُخ جوان ہوگا آمنہ بہو تب تم کو میری بات سمجھ آئے گی لیکن تب وقت گزر چکا ہوگا ۔ ۔ ۔ ۔ ایسے ہی ہوتا ہے ہمیشہ ایسے ہی ہوتا ہے “

اگر ملکانی آمنہ چپ رہتی تو ہو سکتا ہے ملک آصف تائب ہو جاتا۔ ہو سکتا ہے پھر بھی وہ اندھیرے سویرے اندر ہی اندر اس کی بانہہ مروڑتا رہتا۔ انسان کے متعلق وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن جب آہستہ آہستہ ۔ ۔ ۔ ۔ بہت آہستہ آہستہ ملکانی آمنہ نے دوسری عورتوں اور شراب کو قبول کر لیا تو اسے ملک آصف پر کچھ اتنا غصہ بھی نہ رہا۔ اب وہ بیساکھی پر چلنے لگی ۔۔۔ کبھی ملک آصف کی بیساکھی، کبھی گل رُخ کی لیکن پھر کبھی ملک آصف اس کی زندگی کا مرکز نہ بن سکا ۔۔۔ مرکز میں صرف گل رُخ تھا ۔ ۔ ۔ ۔ آہستہ آہستہ قد نکالتا ۔ ۔ ۔ ۔ گورا چٹا ۔ ۔ ۔ ۔ مضبوط کاٹھی کا نک طوطا۔

باہر سورج گرہن کی پیلی سیاہی مائل روشنی پھیلی تھی۔ اس کی ساس نورافشاں منی پلانٹ کے جھرمٹ کے پاس ملک آصف کے کمرے کی طرف رُخ کئے ریڈیو لگائے گھٹنے پر ہاتھ میں تسبیح پکڑے اونگھ رہی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے پارو بہو اپنے گول مٹول پیٹ پر دوپٹہ تانے سیڑھیوں تک آئی تھی۔ اس نے چہرے پر سیاہ چشمہ لگا رکھا تھا۔ خوش اعتمادی، سچائی اور دولت نے اس کی چال میں نمائش پیدا کر رکھی تھی۔

پارو بہو کو کھڑکی سے دیکھ کر آمنہ ملکانی نے سوچا آخر پارو بہو اور ملک آصف کی محبت ایک سی کیوں ہے ؟ میں گل رُخ کے سارے عیب چھپاتی ہوں، یہ دونوں سب کے سامنے ان خرابیوں کو دھجی دھجی بکھیرتے ہیں۔ میں محبت کے

ساتھ اس کی تربیت کرتی آئی ہوں یہ دونوں اسے عبرت دلانا چاہتے ہیں۔ سبق سکھائے بغیر نہیں رہ سکتے۔ محبت کا تو علم ہی اسے اب ہوا جب گل رخ کالی سرسڈیز میں اچانک حویلی چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اپنا دل ٹٹولنے پر اسے پتہ چل چکا تھا کہ اس کی ساری کائنات، جذبے، فلاح، خوشی کا نام صرف گل رُخ ہے لیکن ملک آصف کے لئے گل رُخ کون تھا؟

چار فائر کرنے کے بعد بھی وہ چیتے کے سر پر پاؤں اور گھٹنے پر بندوق رکھے کس کا منتظر تھا؟

اپنی دولت پر پلنے والے پیراسائیٹ کا؟
بے شمار جائیداد برباد کرنے والے وارث کا؟
ملکانی آمنہ کا؟ یا بہو پارو کا۔۔۔۔؟

ملک آصف کو بیٹا تو درکار ہی نہیں تھا۔ فیوڈل سسٹم وارث پر فخر کرتا ہے۔ جب نیلی پگڑی پہن کر گل رُخ ایچی سن کالج جاتا تو ملک آصف کے چہرے پر اسے دیکھ کر تیوری ابھرتی۔ وہ اس بونے کو اپنی ساری جائیداد تو دے سکتا تھا۔ لیکن اپنے چوبیس گھنٹوں میں سے ایک سلائیس کاٹ کر بھی نہیں دے سکتا تھا۔

پچھلی رات حویلی میں دیواریں دروازے جڑ سے اکھاڑنے والا جھکڑ چلا۔ بہو پارو کے کمرے میں سے جو اجنبی بھاگا تھا، اس کے پیٹنٹ لیدر کا ایک جوتا بہو پارو کے کمرے میں ہی رہ گیا۔ گل رخ نے شراب میں دھت اتنے اونچے اونچے گالیاں دیں کہ ملکانی اور ملک بھی ان کے کمرے میں لڑھکتے آگئے۔

ملکانی آمنہ کے جسم میں آگ چل پھر رہی تھی۔ ملک آصف پکی برجی جیسا بغیر پلکیں جھپکائے دروازے میں کھڑا تھا۔

"تم نے پارو بہو سارے میں ملک گل رخ کو بدنام کیا' میں چپ رہی.... اور اب اتنی بدنامی کے بعد..... اب....." قالین پر پڑے پیٹنٹ لیدر کے جوتے کو ٹھوکر مار کر ملکانی آمنہ بولی۔

"تم چپ کرو آمنہ ہر عورت بیٹے کا راز چھپاتی اور شوہر کے نقص بیان کرتی ہے..... پارو بہو بھی اپنے بیٹے سے محبت کرے گی..... ہمیں بھی بس اتنا چاہیے ___ ایک پوتا..... گل رخ کا وارث..... یہ جوتا بے معنی ہے.....عورت صرف بیٹے سے پیار کرتی ہے۔گل رُخ اس واقعے کو بھول جاؤ..... تمہارا پارو بہو سے صرف بیٹے تک کا رشتہ ہے۔" گل رُخ کا توازن بگڑا وہ ڈریسنگ ٹیبل سے جھولتا پلنگ تک اور پھر ڈولتا لڑھکتا صوفے کی طرف چلا۔

"میں اُسے طلاق دے دوں گا..... ابھی اس وقت"

"میں تمہیں شوٹ کر دوں گا گل رُخ ___ ہمارے خاندان میں آج تک کسی مرد نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی۔ میں..... یہ برداشت نہیں کر سکتا۔ نہیں کر سکتا ___" جب ملک آصف بندوق لینے کے لئے لوٹا، تین طلاقیں پوری ہو چکی تھیں تب ملکانی نے ملک آصف کی سیاہ مرسڈیز کی چابی بیٹے کو تھمائی اور اسے فرنٹ سیٹ پر دھکیل کر بولی:

"چلا جا..... تیرا باپ جو کہتا ہے وہی کرتا ہے..... چلا جا وہ بندوق لینے گیا ہے۔" جب ملکانی آمنہ کے کانوں نے جاتی کار پر اکٹھے چار فائیروں کی آواز سُنی تو وہ کوکتی ہوئی ملک آصف کے کمرے میں داخل ہوئی۔

"غضب سائیں کا ملک آصف ___ کیا ماں اپنے بیٹے پر فائر کر سکتی ہے ___؟ تمہیں ہو کیا گیا ہے؟ کیا طلاقیں نہیں ہوتیں کوئی بیٹے پر فائر کرتا ہے ___ وہ بھی اکٹھے چار فائر؟"

ہوتے ہوا تے، کھیلتے کھلاتے، پڑھتے پڑھاتے، سجتے سجاتے، خرچتے خرچاتے گل رُخ جوانی میں ہی گنجا موٹا اور اپنے دادا کی طرح جوڑوں کے مرض کا شکار ہو گیا۔ چالیس مربع کی آمدنی پر پلنے بپھرنے، رعب جمانے والے اس کے آباؤ اجداد نے اس کے لہو میں ہمیشہ دھما چوکڑی مچائے رکھی حتیٰ کہ اس نے کالج میں ہی ایم اے کے آخری سال میں پارو سے بیاہ رچا لیا۔

پارو انگریزی ایم اے میں گل رُخ کی ہم جماعت تھی۔ وہ حساب جوڑنے، امکانات پر دھیان کرنے، نقصانات پر چڑنے اور فائدے پر خوش ہونے والی لڑکی تھی ــــ اس کا بزنس میں آبا فیوڈل داماد کی چربیلی کاٹھی، مرنجان مرنج طبیعت اور نقصان پر نہ تلملانے والی سرشت سے خائف تھا لیکن پارو ضدی، ہٹیل، کٹیل لڑکی تھی۔ وہ کب باپ کی مانتی تھی ــــ آکسفورڈ سٹریٹ لندن سے خریدے ہوئے کپڑوں میں رنگ بدلتا گل رُخ بزنس مین گھرانے کے لئے ایک نیا کھلونا تھا۔

لیکن خود گل رُخ کے لئے سب تجربے، واقعات، مشغلے بیکار تھے جیسے اندھے لوگ پر اُمید بنے رہنے پر بھی بے آس ہوتے ہیں؛ ایسے ہی گل رُخ پیدائشی طور پر جبلی تھا۔ خواہشات پوری ہو ہو کر اس پر گرتیں۔ وہ اپنی زندگی کا مصرف جاننا چاہتا تھا؛ لیکن مصرف اس کے اختیار میں نہ تھے۔ وہ دنیا حاصل کرنے کیلئے جدوجہد اس لئے نہ کر سکتا تھا کہ پشت ہا پشت سے کماتی ہوئی دنیا کے انبار اس کے اِرد گرد تھے۔ اس نے شروع بلوغت میں امپوزڈ پاورٹی کا سہارا لینا چاہا۔ وہ پرانے لنڈے کے کپڑے، پٹھی جوتیاں، سادہ کھانا، فرشی بستر استعمال کرتا، بھر گرمیوں میں گرم پانی پیتا رہا لیکن اس غریبی کے تصور میں سچائی نہ تھی اس لئے بہت جلد وہ وراثت میں ملی ہوئی بے معنی علتوں میں پھنس گیا۔

اپنے باپ دادا کی طرح وہ بھی دل کا اچھا تھا لیکن برائیاں، غلط کاریاں اس کے طریق زندگی کا لازمی جزو تھیں ــــ

اپنی زندگی کے لئے جب وہ کوئی منزل، مشن، تحریک، جدوجہد تلاش نہ کر سکا تو بانجھ خوابوں کے حوالے سے زندہ رہنا اس کا طریقہ بن گیا ــــ اب ان خوابوں میں وہ بھبھوت ملے فقیر سے لے کر نوبل پرائیز لینے والے سائنس دان کی مکمل زندگی بسر کرتا۔ اونچے اونچے عزائم کے ساتھ ساتھ کم عملی کی آسودہ زندگی نے اسے نڈھال کر دیا کچھ تو آسودگی، کاہلی کسلمندی نے اسے دبوچا کچھ بلا مقصد جدوجہد اور اندھے جذبوں نے اس کی تلوار توڑ دی۔ اسی لئے جب اسے اپنی کنپٹی پر بندوق کے فائر کی پہلی پہلی آواز محسوس ہوئی اس نے گھبرا کر پارو سے شادی کر لی ــــ

لیکن عورت، شراب اور بندوق جو آج تک اس کے خاندان کے نیوروسس کو کم کرتی رہی تھیں اس کے لئے بیکار تھیں۔ یہ نہیں کہ وہ ان تینوں کا سہارا نہیں لیتا تھا لیکن پشت ہا پشت کی رنگیلی زندگی نے اس کے دماغ کو ماؤف کر دیا تھا۔ وہ پہروں اپنی خاندانی راکنگ چیئر میں بیٹھ کر ڈولتا رہتا۔ برآمدے میں اس کی دادی بڑی ملکانی کا آدھ کھلا منہ اور اونگھتا چہرہ اسے نظر آتا۔ وہ سوچتا مجھ میں اور دادی ملکانی میں صرف سالوں کا فرق ہے ــــ یہ بھی بے مصرف ہے اور میں بھی زندہ رہنے کے لئے کوئی جواز پیش نہیں کر سکتا ــــ پھر جب گاہن پارو نے اسے نامرد مشہور کرنا شروع کر دیا تو پہلی بار اس نے اپنے اردگرد دیکھا ــــ وہ نہ پارو کی پھیلائی ہوئی بدنامی میں دلچسپی رکھتا تھا نہ ہی اس کے نزدیک پارو کی کوئی اہمیت تھی۔ لیکن اسے نظر آنے لگا کہ اب جب پارو لیٹتی ہے تو اس کا پیٹ پسلیوں سے اوپر سانس لیتا نظر آتا ہے پھر ایسے

میں اگر بچے کا باپ میں نہیں تو اور کون ہے؟

ایسے ہی ارب کھرب وسوسوں نے اسے زندہ کر دیا اور وہ بلا اطلاع اچانک سرپرائیز وزٹ کے لئے حویلی آنے لگا۔ پچھلی رات جب وہ گھر لوٹا تو دروازہ پر اس نے تین بار دستک دی جب دروازہ کھلا اور ایک نوجوان اس کے پاس سے گزرا تو گل رُخ شراب کے نشے میں لڑکھڑا رہا تھا۔ اگر وہ ہوش میں ہوتا تو ایک جوتا پہنے سانو۔ لے نوجوان کو وہ پہلی نظر میں پہچان لیتا ـــ لیکن وہ جب سے پیدا ہوا کچھ بھی دیکھنے سمجھنے جاننے کا عادی نہ تھا۔ کمرے میں داخل ہو کر اُس نے قالین پر پڑے پیٹنٹ لیدر کے جوتے کو اونچی لگ لگائی اور چلایا ـــ "نکل جاؤ میرے گھر سے فاحشہ عورت .... آج میں نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا ہے"

وہ اس زور سے دھاڑا کہ ملکانی آمنہ اور ملک آصف بھی برآمدے میں بھاگتے کمرے میں آوارد ہوئے ـــ اور جب تک ملک آصف کی چار گولیوں کے فائر کار پر نہ ہو گئے اسے کچھ بھی سمجھ نہ آیا ـــ

ہوتے ہواتے، گنتے گناتے، بڑھتے گھٹاتے، لوٹتے لٹواتے، جوڑتے جڑاتے خرچتے بچاتے پارو اس گھر کی بہو بن گئی تھی ـــ وہ جس گھرانے سے آئی تھی، وہاں لوگ سکیموں کے سہارے زندہ تھے رپوٹیں ان کا لہو گرمائے رکھتی تھیں۔ نفع نقصان ان کے سانس ناہموار کرنے کو کافی تھے۔ پارو بہو نے اس حویلی میں آکر دیکھا ـــ وقت بالکل ساکت تھا ـــ برآمدے میں شہد کی مکھیاں آنند سے گھومتی رہتیں۔ بڑی ملکانی جی، ہاتھ میں تسبیح لئے گردن نیہوڑائے دونوں گھٹنوں پر ہاتھ دھرے ریڈیو لگائے نجانے کس صدی سے ایسے ہی اونگھ رہی تھیں۔

"سورج گرہن ہے بہو بیٹھ نہ جانا ـــ کیا پتہ بچے کے کس انگ کو گرہن لگ جائے"

لیکن پارو بہو سوچ رہی تھی کہ گرھن تو شاید اسی روز لگ گیا تھا جب اس نے بے دھیانی، سرخوشی یا بے وقوفی میں آکر جیلی فش گل رُخ سے شادی کر لی تھی؟ وہ گل رُخ کو زندہ دیکھنا چاہتی تھی؟ وہ نامرد نہیں سرے سے مردہ تھا۔ پارو بہو نے پہلے دلار سے، پھر پھٹکار سے اور آخر میں الزام لگا کر گل رُخ کو زندہ کرنا چاہا۔ وہ زندگی کو انجوائے کرنا چاہتی تھی اور گل رُخ اس کا بوجھ کندھوں سے اُتار پھینکنے کا آرزو مند تھا۔

پارو کا گھرانہ دولت میں کسی سے کم نہ تھا۔ لیکن ان کے گھر میں دولت جیتی جاگتی تھی؟ دوسروں کو بھی سونے نہ دیتی اور خود بھی آنکھیں کھولے پڑی رہتی۔ اس کے ابا جی کی جیبوں میں اتنے پیسے نہیں تھے جتنی سکیمیں تھیں۔ وہ ہر چھ ماہ بعد نیا کومپلکس، نئی بلڈنگ، نئے مینوفیکچر کو مارکیٹ میں پھینکتے تھے۔ یہاں دولت آندھی کی طرح اڑائے پھرتی لیکن حویلی کی امارت نے کبھی گل رُخ کے گھر والوں کی نیندیں اچاٹ نہ کی تھیں۔ پارو بہو تو ماچس کی تیلی جیسا اثر دکھتی تھی کہ جدھر جاتی پھونک اُڑاتی۔ پارو کا خیال تھا کہ وہ گل رُخ کے منہ سے پشتنی دولت کی تمام چوسنیاں نکال پھینکے گی۔ اس کے اپنے گھر میں تو بنک بیلنس نے اتنی ٹنشن پیدا کر رکھی تھی کہ وہ لوگ بیٹھ کر تسلی سے کھانا بھی نہ کھا سکتے تھے ــــ اِدھر آئے اُدھر گئے۔ یہاں بیٹھے وہاں اُٹھ کھڑے ہوئے۔

گل رُخ سے آنکس فراوانی اور شہنشاہ مزاجی نے محنت کی تمام آسائشیں چھین رکھی۔ پارو آنکس مارتی وہ کروٹ لیتا اور پھر سو جاتا ــــ شروع شروع میں پارو نے اپنے بزنس مین والد سے کئی فیزیبلٹی رپورٹیں بنوائیں۔ کئی فیکٹریوں کے منصوبے بنا کر لائی لیکن گل رخ پیسے کی بڑھوتری سے خوفزدہ تھا۔

وہ سوچتا ابھی میری زندگی کا کوئی مصرف نہیں اگر فیکٹریاں مایا داس بن گئیں

تو پھر میں کیا کروں گا۔

"ہم ہسپتال بنوائیں گے، سکول کھولیں گے ــــ ذہین طلباء کو وظیفے دیں گے گل رُخ" پارو بہوا کساتی۔

"میں کسی شخص میں اتنی دلچسپی نہیں رکھتا کہ اس کی فلاح کے لئے کوشش کروں ــــ"

"چلو تم کسی شخص کو قتل کر دینا اور ساری عمر مقدمے لڑنا ــــ"

"میں جو مشکل سے ٹائیلٹ جاتا ہوں مقدمے کیا لڑوں گا پارو بیگم ؟"

"تو پھر .... تو پھر بغیر کسی کام کے صرف عورت شراب اور بندوق کے سہارے اتنی لمبی عمر کیسے گزرے گی ــــ ؟"

"جیسی میرے باپ دادا کی گزر گئی پارو .... جیسی میری دادی کی گزر رہی ہے"۔

کہیں پھر کوئل کوک رہی تھی اور برآمدے کی زرد روشنی میں مکانی نور افشاں ہاتھ میں تسبیح لئے اونگھنے میں مصروف تھی۔ پتہ نہیں کیوں پارو کو اپنا باپ یاد آگیا وہ اس سارے ماحول سے کتنا مختلف تھا؟

صبح تڑکے اٹھتا اور نماز پڑھتے ہی گھڑ سواری کے لئے چلا جاتا .... واپسی پر ایک پیالی چائے کے ساتھ تین بسکٹ۔ اس کا سارا دن گھڑی، روٹین اور ڈسپلن کے تابع تھا۔ اس میں سب محبتیں، نفرتیں، کام، فائدے نقصان، رشتہ داریاں اپنے اپنے مقام پر اپنی اپنی اہمیت سے تھے۔ کوٹھی کے تمام درخت ایک سے فاصلے پر تھے۔ تنوں پر چونے کا پانی تھا، سڑکوں پر بجری تھی، ڈرائیوے پر کبھی کوئی سگریٹ کا ٹکڑا، ٹافی کی پنی، کاغذ کی کترن پڑی نہ ملتی۔ یا وہ فنانس کی کتابیں پڑھتے یا ایسٹ انڈیا کمپنی کے گیزٹیئر۔ ابا سب کچھ بڑے اہتمام سے کرتے تھے، پریت سے نہیں۔ مقررہ کرسی، مقررہ برتن ــــ مقررہ ٹائم ٹیبل ــــ اس شخص کی تربیت یافتہ پارو کیلئے